© rasailojaraid.com

در پئے دنیا، دین ہم رفت

ظالمانہ سیاست کا دردناک انجام

مناظر احسن گیلانی

طائف کے بھٹی خانوں میں ایک بازاری عورت تھی۔ سمیہ اس کا نام تھا۔ طائف کے طبیب حارث بن کلدہ کی وہ باندی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایران کے کسی دہقان (قان ،و) یعنی زمین دار نے شفایابی کی خوشی میں بطور فیس کے یہی لونڈی عرب کے اس معالج حارث کو بخش دی تھی۔ حارث سمیہ کو طائف لے آیا۔ کچھ دن بعد اپنے ایک رومی غلام عبید کے ساتھ سمیہ کا عقد بھی کر دیا تھا۔ لیکن عبید کی منکوحہ ہونے کے بعد بھی سمیہ بغی (خرچی کمانے والی عورت) کا کام کرتی تھی۔ پستی کا آخری درجہ کسی عورت کے متعلق جو تصور کیا جاسکتا ہے، اسی حال میں یہ بے چاری جاہلیت کے زمانے میں گرفتار تھی۔

اچانک عرب میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا۔ زندگی کا نیا دور شروع ہوا، بچھڑی اور گری ہوئی انسانیت اٹھنے لگی، اور کیسا اٹھان! اس کسمپرس عورت کے گودڑوں میں لپٹا ہوا لڑکا بھی اونچا ہوا۔ اونچے ہونے کے مواقع اس کے سامنے پیش ہوئے، پیش ہوتے ہی چلے گئے۔ اس نے پڑھا لکھا۔ سترہ اور اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ایسی تقریریں کرنے لگا کہ الخطیب المصقع (ایسا مقرر جو کبھی نہ تھکتا ہو) کی سند فاروقی دربار سے حاصل ہوئی۔ (ابن عساکر، ج ۵، ص ۴۰۶)

ایران کی جنگی مہموں میں اموالِ غنیمت اور فتوحات کے متعلق حساب کتاب کا کام بھی وہی کرتا تھا، اور فوج میں بخشی (فنانس) کی خدمت اسی کے سپرد تھی۔ اس کے تقریری اور انشائی کمالات کا شہرہ بڑھتے ہوئے یہاں تک پہنچا کہ یکے بعد دیگرے مختلف گورنروں کے سیکرٹری (کاتب) ہونے کی عزت اس کو حاصل ہوئی۔ لکھا ہے کہ وہ ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن عامر، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عباس کے سیکرٹری کا کام انجام دیتا رہا (ابن عساکر، ج ۵، ص ۴۰۷)۔ اور خلافت مرتضوی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور میں تو ایران کا گورنر ہی بن گیا۔

یہ اسی سمیہ کنیز کا لڑکا "زیاد" تھا۔ اس نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں یہاں تک عروج حاصل کیا کہ "حضرت معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ و خراسان اور سجستان کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد ہند یعنی سندھ اور بحرین و عمان کی حکومت بھی اسی زیاد کے حوالے کر دی گئی" (طبری وغیرہ' ج ۵' ص ۱۳۴)

مورخین اسلام نے ایرانیوں کی طرف اس قول کو اپنی کتابوں میں منسوب کیا ہے' یعنی "ایران والے کہا کرتے تھے کہ یہ عربی' یعنی زیاد' کسریٰ نوشیرواں کے ساتھ اپنے چال چلن' رنگ ڈھنگ میں جتنا مشابہ ہے' ہم نے ایسا آدمی نہیں دیکھا" (طبری' ج ۵' ص ۸۰)۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ جاہلیت کے زمانے کی ایک لونڈی کے بچے تک کو کج کلاہ ایران بن جانے کا موقع اسلامی دور میں مل گیا۔ اسلام کا ظہور نہ ہوتا تو کون جانتا ہے کہ ایک باندی اور غلام' جو بے چارے عربی النسل بھی نہ تھے' ان کے اس بچے کا انجام کیا ہوتا؟ مگر عرب کے جاہل چیخ رہے تھے' چلا رہے تھے۔ بظاہر اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی' فتح مکہ کے موقع پر جب کعبہ کی چھت پر بلال حبشیؓ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اذان دینے کا حکم ہوا' تو قریش کے بعض بوڑھے سرداروں کو دیکھا گیا تھا' کہتے تھے: اچھا ہوا ان رسوائیوں کو دیکھنے کے لیے والد مرحوم زندہ نہ رہے"۔ حضرت بلالؓ کی آواز سن کر بے ساختہ ایک قریشی سردار کی زبان سے یہ فقرہ نکلا: "محمدؐ کو اس کالے کوے کے سوا اذان دینے کے لیے اور کوئی نہ ملا"۔ کوئی بڑبڑا رہا تھا: "خدا کی قسم یہ بہت بڑا حادثہ ہے کہ بنی جمح والوں کا غلام (بلال) کعبہ کی چھت پر کھڑا گدھے کی طرح چیخ رہا ہے" (سیر محمدیہ' فتح مکہ)۔

مگر ان باتوں کا عادی بنانے کے لیے اسلام ظاہر ہوا تھا۔ قریشی خاتون' ام المومنین زینب بنت جحشؓ کا پہلا عقد' اپنے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے رسول اللہؐ نے جس وقت کیا تھا' کوئی شبہ نہیں کہ ہزارہا برس کے رسم و رواج کے مقابلے میں یہ بے محابا ایسی ضرب لگائی گئی تھی جس سے مکہ ہی کیا' سارا عرب ہی تلملا اٹھا' زمین کے ساتھ آسمان بھی ہل گیا تھا۔ خود ام المومنین سیدہ زینبؓ بھی زیدؓ سے اس رشتے کو نباہ نہ سکیں اور اسی کی تلافی بھی غالباً ایک مصلحت اس نکاح کی تھی جو خود رسول اللہؐ نے حضرت زینبؓ سے کر لیا۔ لیکن وہی قریش جو پہلی دفعہ اس واقعہ کو برداشت نہ کر سکے' دیکھا گیا کہ بعد کو یکے بعد دیگرے اپنی لڑکیوں کا عقد حضرت زیدؓ ہی سے بخوشی و رضا کر رہے تھے۔ (ابولہب کی صاحبزادی درہؓ' عتبی کی لڑکی ام کلثومؓ' زبیر بن العوامؓ کی ہمشیرہ ہندؓ سے حضرت زیدؓ نے عقد کیا' یہ سب کی سب قریش کے اعلیٰ خاندان کی خواتین تھیں) اور ابن شیبہ کی اگر یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت صحیح ہے...... یعنی حضرت عائشہؓ کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے کہ "اگر زید" زندہ رہ جاتے تو اپنے بعد رسول اللہؐ زید" کو اپنا خلیفہ بناتے" (اصابہ: ج ۳، ص ۲۶)۔ اور رسول اللہؐ کی زندگی ہی میں حضرت زید" کی شہادت کا سانحہ نہ پیش آجاتا تو یقیناً اسلام میں غلامی اور غلاموں کی تاریخ اس سے بھی زیادہ شاندار بہت شاندار ہوتی جتنی کہ اب ہے۔ آخر اس سے زیادہ اور کیا چاہا جا سکتا ہے کہ زیاد جیسے آدمی کو ایران کے کسریٰ و توشیرواں بن جانے تک کا موقع اسلام میں مل گیا۔ ان ہی عربوں نے یہ عہدہ اس کے سپرد کیا جو چند دن پیش تر غلاموں کی مؤذنی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وطنی اور نسلی عصبیت کے نشے میں جو چور تھے، ان میں یہ کیسا انقلاب تھا کہ جس شخص کی رگوں میں ماں ہی کی طرف سے عربوں کا خون پہنچا تھا، اور باپ بھی جس کا سمجھا جاتا تھا کہ عربی نہیں بلکہ رومی غلام عبید نامی ہے، وہی قریشی النسل سرداروں اور عرب کے عام قبائل کا امیر بن جاتا ہے۔

مگر یہ عجیب بات ہے، اور حافظ کی کمزوری کا یہ کتنا دلچسپ مظاہرہ تھا، کہ جوں جوں اسلام کی بدولت بلندی کے زینوں کو سمیہ باندی کا یہ لڑکا طے کرتا جاتا تھا، اسی نسبت سے وہ اپنی پستیوں کے پچھلے حالات کو بھولتا یا بھلاتا جاتا تھا۔ دیکھنے والوں نے اسی زیاد کو اس حال میں دیکھا تھا کہ خچر پر سوار ہے، لگام میں بجائے چمڑے کے رسی بندھی ہوئی ہے، بدن پر اس کے پیوند دوز کرتا ہے (طبری، ج ۵، ص ۱۶۳)۔ لیکن ایک زمانہ آیا کہ وہی زیاد لوگوں کے سامنے دیبا یا حریر کی قبا میں، خز یا پلین کی چادر اوڑھے ہوئے، اس حال میں برآمد ہوتا تھا کہ آگے تیغ برہنہ نقیب اکڑتے ہوئے، لوگوں کو راستوں سے ہٹاتے ہوئے چلتے تھے (طبری، ج ۵، ص ۱۶۳)۔

اس زمانے میں اس کی حسی نزاکت کی کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ سمیہ، اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے نام لینے والوں پر بپھر جاتا۔ انتہا یہ ہے کہ سیدنا امام حسنؓ نے اپنے سفارشی خط میں زیاد بن سمیہ کے نام سے اس کو جب مخاطب فرمایا، تو غصہ میں جواب دیتے ہوئے، بجائے حسنؓ بن علیؓ کے حسنؓ بن فاطمہؓ کے نام سے حضرت والا کو اس نے موسوم کیا۔ اس خط میں اس نے اور بھی ایسی ناقابل بیان گستاخیوں سے کام لیا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع امام حسنؓ کے ذریعے جب ملی، تو لکھا ہے کہ "شام کی سرزمین امیر معاویہؓ پر تنگ ہوگئی"۔ اسی وقت غیظ و غضب سے بھرے ہوئے فرمان سے زیاد کو آپ نے ڈانٹ بتائی، اور لکھا کہ فاطمہؓ کی طرف انتساب سے حسنؓ کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے یا کمی، اس کا بھی اندازہ غصے میں تجھے نہ ہوا۔

بیچاری سمیہ، جس کے پیٹ سے پیدا ہونے کے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس بے چاری کو تو وہ بھول بیٹھا تھا اور بھولتا کیا معنی، اس کی طرف انتساب زیاد کے لیے ناقابل برداشت بن چکا تھا۔ مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب بعض لوگوں نے 'امیر معاویہ ؓ کی حکومت کے زمانے میں' یہ گواہی دی کہ طائف کے بھٹی خانے میں امیر معاویہ ؓ کے والد ابو سفیان ؓ نے ایام جاہلیت میں زیاد کی ماں سمیہ باندی کے ساتھ 'بقول ابن خلدون "جاہلیت کے نکاحوں میں سے نکاح کے کسی خاص طریقے کو اختیار کر کے تمتع حاصل کیا تھا" (ج ۳' ص ۷)' تو اس بنیاد پر وہی زیاد' جو زیاد بن عبید اب تک مشہور تھا' اچانک اس باپ کو بھی بھلا بیٹھا' اور اپنے نام کے ساتھ زیاد بن ابی سفیان لکھنے لگا۔

دولت رسی کی مستی میں جو اپنی ماں اور باپ تک کو فراموش کر چکا ہو' کیوں تعجب کیجیے اگر سیدنا علی ؓ کے سارے احسانات کو بھلا کر کوفہ اور بصرہ کی گورنری کے زمانے میں زیادہ وہ حرکت کر گزرا ہو' جس کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔

اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ بصرہ' کوفہ یعنی عراق اور ایران' خراسان' سجستان' سندھ' بحرین و عمان کی حکومت پر قابض ہونے کے بعد بھی زیاد کا جی نہ بھرا۔ حضرت امیر معاویہ ؓ کی خدمت میں اس نے یہ درخواست روانہ کی کہ "اب خلافت کی طرف سے جو علاقے میرے سپرد کیے گئے ہیں' ان علاقوں پر تو اپنے بائیں ہاتھ میں سے قابض اور مسلط ہوں' لیکن میرا داہنا ہاتھ اس وقت تک یوں ہی خالی پڑا ہوا ہے۔ اگر حجاز اور حجاز کے ساتھ یمامہ' نجد وغیرہ کے علاقے بھی مجھے سونپ دیے جائیں تو میرے داہنے ہاتھ کے لیے ایک کام نکل آئے گا"۔

ادھر تو بارگاہ خلافت میں زیاد نے یہ عرض داشت روانہ کی' ادھر اپنے خیال میں تیر کو نشانے پر بٹھانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ کوفہ میں اجتماع عام کا اعلان کیا گیا۔ زیاد کے خوف سے لوگ اتنے جمع ہوئے کہ "مسجد اور میدان دار الامارہ کا صحن' سارے مقامات معمور ہو گئے"۔ غرض زیاد کی یہ تھی کہ وہی حضرت علی ؓ جنھوں نے ایران کا والی بنانے کا شرف اس زیاد کو عطا فرمایا تھا' ان کو' اور ان کی ساری نوازشوں کو' ان کے فضائل و کمالات کو' نبوت کبریٰ ؐ سے گونا گوں تعلقات جو حضرت والا کے تھے' سب ہی کو' اپنے حافظہ سے نکال کر "حضرت علی ؓ سے تبرا اور علیحدگی کے مسئلے کو کوفہ کے باشندوں پر پیش کرے"۔ (ابن عساکر' ج ۵' ص ۴۲۱)

مطلب یہی تھا کہ قلوب میں سیدنا علی ؓ کے ساتھ جو لگاؤ کوفہ والوں کا باقی تھا' اس رشتے کو بھی ختم کرائے۔ خیال یہی ہو گا کہ اس کی خبر جب دمشق میں امیر معاویہ ؓ کے پاس پہنچے گی' تو حجاز اور عرب کے دوسرے علاقوں کی حکومت کی درخواست بہ آسانی منظور ہو جائے گی۔

حالانکہ یہی زیاد تھا' ایران کی گورنری کے زمانے میں بھی امیر معاویہ ؓ کی طرف سے یہ سلسلہ جنبانی کی گئی تھی کہ وہ حضرت علی ؓ کی رفاقت ترک کر کے ان کا ہم نوا بن جائے۔ لیکن اس وقت تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علیؓ زندہ اور برسر اقتدار تھے۔ جواب میں زیاد نے کہا تھا: میں اور حضرت علیؓ کی رفاقت چھوڑ دوں؟" میرے اور معاویہؓ کے درمیان رسول اللہؐ کے چچا (ابو طالب) کے بیٹے حضرت علیؓ ہیں" (ایضاً' ص ۱۱۴)۔

مگر اب اس کا حافظہ ان ساری باتوں سے خالی ہو چکا تھا' ایسا کیوں ہوا؟

ایران والے اسے سیاست و تدبر میں نوشیرواں کا نمونہ اور نظیر قرار دیتے تھے۔ اپنے اقبال و عروج کے دنوں میں عرب جب اپنے بڑے سیاسی مدبروں کا ذکر کرتے تو امیر معاویہؓ' عمرو بن عاصؓ' مغیرہ بن شعبہؓ کے ساتھ ساتھ زیاد کا نام بھی لیتے تھے۔ ہمارے مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ کے اچانک شہید ہو جانے کی وجہ سے آپؓ کے مقبوضہ علاقوں میں عموماً اور کوفہ و بصرہ کی چھاؤنیوں میں خصوصاً افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ زیاد نے راستہ جو بھی اختیار کیا ہو' لیکن اس گڑبڑ اور شور و شر کے مٹانے میں جو کامیابی اس کو حاصل ہوئی' اور دیکھنے والوں نے زیاد کی حکومت کے زمانے میں جو کچھ دیکھا تھا' شاید اس زمانے کی بڑی سے بڑی دستوری اور آئینی حکومتوں میں بھی ان تماشوں کے لیے لوگ ترستے ہی رہیں گے۔ طبری میں ہے کہ زیاد نے بطش شدید والی داروگیر سے یہ رنگ قائم کر دیا کہ "ہر شخص دوسرے سے اپنے آپ کو محفوظ پانے لگا"۔

اور کیسا' امن' کیسی حفاظت! طبری ہی کے الفاظ ہیں: "کسی مرد یا عورت کی کوئی چیز راستے میں گر پڑتی' اس کے اٹھانے کی بھی جرات کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ چیز پڑی رہتی تا آنکہ جس کی چیز ہوتی وہی اس کو اٹھاتا"۔ یہ بھی تاریخ کی شہادت ہے کہ "عورتیں گھروں کے دروازوں کو بند کیے بغیر راتیں گزارنے لگیں" (طبری' ج ۵' ص ۱۲۶)

یہ' اور اس کے سوا' زیاد کی حکومت کی خصوصیتوں کو مورخین نے بڑے شان دار الفاظ میں بیان کیا ہے۔ دنیا کے موجودہ لادینی عہد میں زیاد بھی اسی لیے شاید ان لوگوں میں شمار ہو سکتا ہے جنھیں چاہا جائے تو حکمرانی اور جہاں بانی میں نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ مگر لادینی ذہنیت رکھنے والوں کی نگاہوں میں زیاد کی جتنی قدر و قیمت ہو' میرے نزدیک تو صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے جس غلط راستے کو اس نے اختیار کیا تھا' یہ راستہ ہی ایسا ہے جس میں آدمی بھولنا نہ بھی چاہے' جب بھی ایسی ساری چیزیں اس سے بھلا دی جاتی ہیں' جن کے متعلق سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ حافظہ سے کیسے نکل سکتی ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی باگ' خصوصاً جب کوفہ و بصرہ کی گورنری کا جائزہ زیاد نے لیا' تو سب سے پہلے جو چیز اس کے دماغ سے نکل گئی' وہ اپنے خالق اور مالک کی یاد تھی۔

منبر پر چڑھ کر وہ کڑکتا تھا: "خواہ کچھ ہی ہو' لیکن مجرموں کے بدلے میں غیر مجرموں کو میں پکڑوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا"۔

ایک مومن عرب نے کہا بھی: "زیاد! خدا کا قانون تو یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے یعنی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا (فاطر ۳۵: ۱۸) لیکن تو تو خدا سے بھی بڑھ گیا۔ دھمکاتا ہے کہ جس نے جرم نہیں کیا اس کو جرم کرنے والے کی جگہ پکڑے گا"۔

جواب میں زیاد نے کہا تھا: "تم جو راہ مجھے بتا رہے ہو، اب یہ راہ تمھارے سامنے نہ آئے گی، جب تک کہ خون کے دریا تم میں نہ بہا دیے جائیں" (طبری، ج ۵، ص ۱۲۵)

جب تک زیاد زندہ رہا، وہی کرتا رہا جو وہ کہتا تھا۔ معمولی شک وشبہ پر گردنوں کا اڑا دینا، گھروں کو گرا دینا، لوگوں کو پٹوانا، جیل میں ڈال دینا، ان باتوں کی اس کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ کہنے والوں نے تو اسی لیے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے سفاک، ظالم "حجاج کے مقتولوں کی تعداد ضرور زیادہ ہے، لیکن مسلمانوں کے بے تحاشا قتل کرنے کی جسارت میں زیاد، حجاج سے بہت زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا" (ابن عساکر)

(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ سب کچھ یاد رکھتے ہوئے، زیاد نے خدا ہی کو بھلا دینا چاہا، اور اس کو بھلا دیا تھا۔ ایسی صورت میں کیوں تعجب کیجیے، اگر اس کے حافظے سے اپنی ماں سمیہ، اپنے باپ عبید، اور اپنے سب سے بڑے محسن وولی نعمت سیدنا علیؓ کی یاد نکل گئی، آخر نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ انھوں نے بھلا دیا اللہ کو، بس اللہ نے بھی فراموش کرا دیا، ان کو خود اپنے آپ سے (الحشر ۵۹: ۱۹)۔ یہ تو قرآن ہی کا قدرتی قانون ہے۔ خدا کو بھول جانے کے بعد زیاد درحقیقت خود اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اس لیے نہ ماں ہی اس کو اپنی یاد رہی اور نہ باپ، اور نہ بزرگوں کو وہ یاد رکھ سکا جن کی تربیت و تعلیم نے باندی کے اس بچے کو ایران و خراسان کی گورنری کے لائق بنا دیا تھا۔

اپنے آپ کو فراموش کیے ہوئے اس انسان میں برسر حکومت آنے کے بعد شاید یہ وہم پیدا ہوا کہ "گورنر" ہونے کے سوا نہ پہلے وہ "اور کچھ" تھا۔ اور نہ آیندہ اسے "اور کچھ" ہونا ہے۔ گورنری کو اسی لیے شاید وہ اپنا پیدائشی حق یقین کرنے لگا۔ اسی لیے زمین کا وہ طویل و عریض رقبہ جو کمشنری ایران کے مقبوضہ سے بھی بڑا اور کافی بڑا تھا، ان خطوں کی حکومت بھی اس کو ناکافی نظر آنے لگی۔ آگے قدم بڑھانے کے لیے حجاز اور عرب کی عام حکومت کی درخواست اس نے پیش کر دی۔ اور مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے "اجتماع عام" کا حکم کوفہ والوں کو اس لیے دیا کہ حضرت علیؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبرا کا اقرار ان سے لے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب سب کچھ وہ اپنے آپ ہی کو تصور کر رہا تھا' اور جس نے پیدا کر کے اس قابل اس کو بنایا تھا' اس کی ذمہ داریوں سے اپنی آنکھیں میچے ہوئے تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ بندر لاکھ اپنی آنکھیں بند کر لے' پھن کھولے ہوئے سانپ کا وجود تو اس کی آنکھیں بند کرنے سے معدوم نہیں ہو سکتا۔ جس خدا سے زیاد نے اپنے آپ کو غافل بنا لیا تھا' وہ اچانک اس کے سامنے آگیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حجاز کے شہروں' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی کہ زیاد نے وہاں کی حکومت کی خواہش امیر معاویہ ؓ سے کی ہے' تو لوگوں میں کافی بے چینی اور سراسیمگی پھیل گئی۔ عمر فاروق ؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے چند لوگوں کو جمع کیا۔ خود دعا کرتے جاتے تھے کہ اے پروردگار' زیاد کی مصیبت میں ہم لوگوں کو مت مبتلا فرما' اور دوسرے آمین کہتے تھے۔ (کامل ابن اثیر' ج ۴' ص ۱۱۱)

مدینہ منورہ میں تو یہ ہو رہا تھا۔ ادھر کوفہ میں' جہاں اجتماع عام کا حکم زیاد نے دیا تھا' کوفہ کا ہر قابل ذکر آدمی زیاد کی ڈیوڑھی کے سامنے انتہائی حیرانی اور پریشانی کے ساتھ کھڑا تھا۔ دارالامارہ سے لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے زیاد ابھی باہر نہیں نکلا تھا' ایک صاحب' جن کا نام عبدالرحمٰن بن سائب تھا اور اسی مجمع میں وہ بھی شریک تھے' کہتے ہیں کہ اچانک مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے غنودگی کے اسی حال میں کیا دیکھتا ہوں کہ:

بڑی لمبی چوڑی گردن اونٹ کی گردن کے مانند میرے سامنے نمایاں ہوئی' جس کے ہونٹ لٹکے ہوں اور پوٹے بھی جس کے پھولے پھولے ہوں۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے' جواب میں' میں نے سنا' وہ لمبی گردن بول رہی ہے:

میں چن لینے والے کا باپ' گردن والا ہوں۔ اسی قصر (دارالامارہ) والے کے لیے اٹھایا گیا ہوں۔

اس کے بعد غنودگی کی کیفیت کا ازالہ ہو گیا۔ اردگرد ان کے جو لوگ تھے ان سے عبدالرحمٰن پوچھنے لگے' آپ لوگوں نے بھی کچھ دیکھا۔ بولے' نہیں ہمیں تو کچھ نظر نہ آیا۔ تب میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کا حال ان لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ بیان کر ہی رہا تھا کہ اچانک قصر سے ایک شخص برآمد ہوا اور اعلان کیا:

امیر (یعنی زیاد) کا حکم ہے کہ آپ لوگ چلے جائیں' کیوں کہ میرے ساتھ ایک قصہ پیش آگیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔

آلام و مصائب کا سیاہ بادل تھا جو چھانے کے بعد اچانک اس اعلان کے ساتھ ہی چھٹ گیا' لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ ابھی مجمع رخصت بھی نہیں ہوا تھا کہ گورنر ہاؤس سے یہ خبر مجمع تک پہنچی کہ زیاد پر طاعون یا فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔

زیاد اب صاحب فراش تھا۔ تکلیف سخت اور بہت سخت تھی۔ کہتے ہیں کہ جس مقام پر طاعون کی گلٹی یا پھوڑا نمایاں ہوا تھا' زیاد بار بار چاہتا تھا کہ بدن کے اس حصے کو کٹوا دے۔ آپریشن کرنے والے اس حکم کے مطابق چیر پھاڑ کے آلات اور کاٹنے کے بعد داغنے کا سامان لے کر آ بھی گئے۔ لیکن ان لوگوں کی خاص شکل و صورت اور ان کے مہیب آلات کو دیکھ کر زیاد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان کو اس نے واپس کر دیا۔ پلنگ پر تلملا تلملا کر کروٹیں بدلتا تھا اور کہتا "میں اور طاعون کا یہ پھوڑا' دونوں ایک لحاف کے اندر رات بھر کیسے بسر کر سکیں گے"۔

کراہ کراہ کر ساری رات گزاری۔ صبح جس وقت ہوئی' تو حالات اتنے ابتر ہو چکے تھے کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق کے نیچے اتارنا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ دشوار ہو چکا تھا۔ پانی منہ میں ڈالتا تھا' لیکن اسے نگل نہیں سکتا تھا' کوفہ کے گورنر ہاؤس میں ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ لوگ آ رہے تھے' جا رہے تھے۔

احبا اپنی تدبیروں میں مشغول تھے کہ اچانک ایک شور برپا ہوا' معلوم ہوا کہ دمشق سے شاہی فرمان لے کر لوگ آئے ہیں۔ ہیثم نامی شخص' برید کا سرگروہ تھا۔ زیاد نے حجاز' نجد' یمامہ' عرب کے علاقوں کی گورنری کی جس آرزو کو حکومت میں پیش کیا تھا' اس کی منظوری کا فرمان دربار خلافت سے صادر ہوا تھا۔ زیاد درد و کرب کی شدت سے تڑپ رہا تھا کہ سرہانے پہنچ کر یہ مژدہ اس کے کانوں تک پہنچانے والے نے پہنچایا: "گورنر ہاؤس" کے دروازے پر ہیثم کھڑا ہے' اس کے ساتھ وہ فرمان شاہی ہے جس میں حجاز پر تمہاری گورنری کی منظوری صادر ہوئی ہے"۔

خدا ہی جانتا ہے کہ زیاد اپنے دل میں حجاز کی حکومت کی تمنا کو کب سے پال رہا تھا۔ وہی حجاز جس میں دوسرے مقامات کے ساتھ طائف کا وہ شہر بھی تھا جہاں سمیہ باندی کے پیٹ سے وہ رومی غلام عبید کے گھر پیدا ہوا تھا۔ لیکن زندگی کی یہی سب سے بڑی آرزو جب واقعہ بن کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی تو سنا گیا کہ زیاد کہہ رہا تھا:

"دور ہو جاؤ ہیثم! اور اپنے ساتھ جو کچھ لایا ہے اب وہ میرے کس کام کا! خدا کی قسم پانی کا ایک گھونٹ جو حلق سے نیچے اتر جائے' میرے لیے ہیثم اور ہیثم اپنے ساتھ جو کچھ لایا ہے' اس سے کہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ محبوب ہے" (ابن عساکر 'ج ۵ 'ص ۲۲۴)۔

اور اب اپنی بھلائی ہوئی حقیقت کی یاد نکلنے کے بعد اس کے حافظہ میں واپس آئی۔ اس کے سامنے اب نہ ایران تھا نہ خراسان 'نہ عراق 'نہ سندھ 'نہ بحرین اور نہ عمان۔ جو کچھ بھی تھا اس کا اندازہ اس وصیت نامے سے ہوتا ہے ' جسے ابن عساکر ہی نے حضرت امام شافعی کے حوالے سے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں نقل کیا ہے۔ وصیت نامے کا ترجمہ یہ ہے :

اللہ کا حکم جو سامنے آچکا ہے اس کا انتظار کرتے ہوئے ' یہ وصیت نامہ لکھوا رہا ہوں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت میرے لیے ناقابل انکار بن چکی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے ' وہی تنہا ہے ' اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ یہ گواہی اس شخص کی ہے جو اپنے مال کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور اپنے حساب و کتاب کا ڈر جس پر مسلط ہے۔ میں اس کی بھی شہادت ادا کرتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ' پیغام پہنچانے والے ہیں۔ میں مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ کو بھی ' اور عام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہیں۔ "اور نہ مرے ان میں کوئی مگر اپنے آپ کو مسلمان بنائے ہوئے"۔ چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک بڑی اور چھوٹی باتوں کا خیال رکھے۔

پھر اپنی زندگی اور جن حالات سے وہ گزرا تھا ' ان ہی سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اسی وصیت نامے میں یہ بھی لکھوایا۔

اللہ کی نعمتیں جن لوگوں کے لیے پوری کی گئی ہوں ' ان کو چاہیے کہ دنیا کو اسی جگہ پر رکھیں جو اس کا واقعی مقام ہے۔ یعنی جن لوگوں کے حقوق ان کے ذمے عائد ہوئے ہیں ' ان کو ادا کریں اور بڑے بننے کا خیال دل سے نکال دیا جائے ' کہ دنیا میں بڑے بننے کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے ' کیونکہ دنیا ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ ایک راستہ ہے جس سے آدمی گزر جاتا ہے۔ بہرحال اس راستے سے گزرنے کے بعد خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ بس اسی خدا سے میں لوگوں کو چونکاتا اور ڈراتا ہوں ' اور میں وصیت کرتا ہوں کہ اس گھر میں داخل ہونے سے پہلے جس سے واپسی ناممکن ہے ' اور واپسی کے دروازے جس گھر میں پہنچنے کے بعد بند ہو جاتے ہیں ' لوگو! ان نیکیوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرو ' جن سے محروم ہونے والے محروم ہو ہو کر جا رہے ہیں۔

زیاد پر جزع فزع کی حالت طاری تھی ' اس کا مشہور بیٹا جسے فاجعہ کربلا کے کرتوتوں نے رسوائے زمانہ بنا رکھا ہے وہی ابن زیاد باپ کی بالیں پر کھڑا کہہ رہا تھا : "ابا جان ! آپ گھبرایئے نہیں ' میں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے کفن کے لیے ساٹھ تھان کپڑوں کے پہلے سے فراہم کر کے رکھ لیے ہیں"۔

مطلب اس بدبخت ابن زیاد کا شاید یہ تھا کہ آپ کا جنازہ بڑے دھوم دھام سے نکالوں گا۔ چند گزوں کی جگہ جس مرنے والے کے لیے ساٹھ ساٹھ تھان کا انتظام صرف کفن دینے کے واسطے تیار رکھا گیا ہو' اس کے لیے اور کیا کیا نہ کیا جائے گا۔ لیکن باپ' ابن زیاد نہیں' زیاد تھا۔ بڑے بڑوں کی صحبت اس کو میسر آئی تھی' گو اس صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع جیسا کہ چاہیے اس کو نہ ملا۔ تاہم بیٹے کی طرح باپ اتنا احمق نہ تھا۔ لکھا ہے کہ جھنجھلا کر ابن زیاد کو زیاد نے جواب دیا:

میرے بیٹے! تیرے باپ کے سر پر وہ گھڑی آکر کھڑی ہوگئی ہے' جس کے بعد نہیں کہا جاسکتا کہ جو لباس اس وقت اس کے بدن پر ہے' اس سے بہتر لباس سے نوازا جائے گا' یا یہ بھی جو کچھ ہے' وہ بھی جلد ہی چھن جائے گا۔ (طبری' ج ۵' ص ۱۲۶)

کسی کو زیاد کے اس حال پر رحم آگیا' اور جیسا کہ دستور ہے' تسلی دیتے ہوئے اس نے کہا کہ آپ مایوس نہ ہوں' میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ بیان کیا گیا ہے' اس وقت اس کے کمزور حافظے میں اپنی گزری ہوئی ناکردنیوں کی یاد ایک ایک کر کے جاگ رہی تھی۔ خدا ہی جانتا ہے ناحق کتنوں پر اس نے زندگی تنگ کی تھی' اس کی گردن پر کتنے ناحق خونوں کا وبال لپٹا ہوا تھا۔ خصوصاً کوفہ کے ایک بزرگ جن کا نام ابو المغیرہ (۱) تھا' اس نے بلاوجہ صرف اس لیے ان کو قتل کرا دیا تھا کہ عوام پر ان کا اثر ہے (۲)۔ لوگ ان کے تقویٰ' زہد و عبادت کے معترف تھے۔ یہ فعل زیاد سے اس وقت صادر ہوا تھا جب "الامیر" یا "گورنر" ہونے کے سوا اس کے حافظے میں کسی چیز کی یاد بیدار نہ تھی۔ مگر اس وقت وہی باتیں جو اس کے دماغ میں دفن ہوتی چلی گئی تھیں' آنکھیں مل مل کر سامنے آ آکر کھڑی ہو رہی تھیں۔ ان ہی میں ابو المغیرہ کا کٹا ہوا سر بھی تھا۔ اور لہو میں ڈوبا ہوا وہ جسد بھی جو تڑپ تڑپ کر اس کے سامنے ٹھنڈا ہوا تھا۔ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ بشارت کی جھوٹی طفل تسلی کو سن کر زیاد کی زبان پر بے ساختہ یہ فقرہ جاری ہوا۔

بشارت کیسی؟ راستے پر دیکھو! ابو المغیرہ کھڑے ہوئے ہیں۔ (ابن عساکر' ص ۴۲۲)

دیکھا گیا کہ یہی بولتے ہوئے' بولنے والا چپ ہوگیا اور ایسا چپ ہوا کہ پھر کسی نے اس کی کوئی آواز نہ سنی۔ تو یہ نامی کوفہ کے قبرستان میں زیاد کی لاش مٹی کے نیچے دبا دی گئی۔ بجلی کی طرح زیاد کی موت کی خبر ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ ان کی دعا قبول ہوگئی اور حجاز کا گورنر ہونے سے پہلے زیاد مرگیا' تو فرمایا:

سمیہ کے بیٹے! لے' نہ دنیا ہی تیرے لیے باقی رہی' اور نہ آخرت ہی (کی راحت کو) تو پا سکا۔

© rasailojaraid.com

ابن عمرؓ کے اس فقرے کے یہ الفاظ – "لا الدنیا بقیت لک ولا الاخرۃ ادرکت" "نہ تیرے پاس دنیا باقی رہی اور نہ ہی تجھے آخرت ملی" – سیاسی کاروبار میں زندگی گزارنے والوں کے لیے غور کیا جائے تو ایک عبرت آموز تاریخی سبق ہے۔ خود یہی زیاد کوفہ کے گورنر ہاؤس میں بیٹھا کرتا تھا کہ ایک بلی آئی اور کسی گوشے میں بیٹھ کر چوہے کا انتظار کرنے لگی۔ دن ختم ہو گیا' آفتاب غروب ہو رہا تھا کہ کہیں سے کوئی بدبخت چوہا نکل پڑا۔ بلی نے اسے دبوچ لیا۔ ایک صاحب جو زیاد کے ساتھ دیر تک اس تماشے کو دیکھ رہے تھے' وہی کہتے تھے کہ 'میری طرف مخاطب ہو کر زیاد نے کہا:' "اس بلی سے ان لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے کہ جو کسی مہم کو سر کرنا چاہتے ہیں"۔

مطلب یہی تھا کہ غروب ہی کے وقت سہی' لیکن بلی بالآخر کامیاب ہو کر رہی۔ دراصل یہ خود زیاد کی زندگی تھی۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق "جس سال مکہ فتح ہوا' زیاد طائف میں پیدا ہوا' کوفہ میں ۵۳ھ میں اس وقت مرگیا جب کوفہ کا گورنر امیر معاویہؓ کی طرف سے تھا" (ص ۷' حصہ اول' ص ۷۱)۔

گویا زیاد کی عمر بہ مشکل ۴۵ سال ثابت ہوتی ہے اسی روایت کو مان لیا جائے کہ ہجرت کے سال وہ پیدا ہوا تو زیادہ سے زیادہ ۵۲ سال تک ہی جینے کا موقع' ماننا پڑے گا کہ اس کو ملا مگر کوفہ اور بصرہ کی گورنری کی مدت' اس کی پوری عمر خواہ ۴۵ ہو یا ۵۲ ہو' لے دے کر کل ۵ سال ہے۔ طبری نے زیاد کے غلام فیل کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "عراق پر زیاد نے کل پانچ سال حکومت کی"۔

اس پانچ سال میں بھی زیاد جیسے سیاسی بازی گر کو' جو صحیح نتائج تک پہنچنے کے لیے اس کی قطعاً پروا نہ کرتا تھا کہ جن ذرائع کو اختیار کر رہا ہے وہ صحیح ہیں یا غلط' جوڑ توڑ کے سلسلے میں جن الجھنوں میں الجھنا پڑا ہو گا اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں' جو اس قسم کی غلط سیاسی زندگی کے طوفانوں میں خود کو ڈال کر ان ہی تجربات میں سے گزر رہے ہیں' جن سے زیاد گزرا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان غریبوں کو چین اور سکھ' آسودگی اور طمانیت کے چند لمحات بھی اپنی ساری جاہی بلندیوں کے باوجود نصیب ہو جائیں' تو غنیمت ہے' دوسروں کو ان غریبوں کی زندگی خواہ جس حد تک قابل رشک نظر آتی ہو' لیکن خود ان کو اپنے آپ میں واپس ہونے کا موقع کبھی جب مل جاتا ہے' اگرچہ یہ موقع بھی ان کو بہت کم نصیب ہوتا ہے' تو ہر دوسرے کی زندگی ان ہی کے لیے باعث غبطہ و رشک بن جاتی ہے۔

دنیا یوں ہاتھوں میں آنے کے بعد ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور دنیا کے بعد زندگی کی جو منزلیں ان کے سامنے آتی ہیں' ان میں اپنے ٹیڑھے نتائج و انجام کو ظاہر ہے سیدھی شکلوں میں کیسے پا سکتے ہیں' گویا سیاسی پیشہ وروں ہی کے متعلق طلبہ کی [illegible] یہ بتایا گیا تھا کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درپے دنیا دین ہم رفت آں ہم رفت و ایں ہم رفت

(دنیا حاصل کرنے کی خواہش میں ' دین ہی ہاتھ سے گیا ' وہ بھی گئی ' یہ بھی گیا)

(۱) ابن عساکر کا بیان ہے کہ کوفہ کا امیر ہونے کے بعد زیاد پہلی دفعہ جب پہنچا ' اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ابو المغیرہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی وقت ان کو طلب کر کے اس نے حکم دیا کہ میں کافی مالی معاوضہ آپ کو دوں گا۔ آپ گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیں۔ ابو المغیرہ نے کہا ' سبحان اللہ مسلمان آدمی یہ کیسے کر سکتا ہے۔ کچھ نہیں تو نماز ہی کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور ہے۔ ماسوا اس کے مسلمانوں کی عیادت ' ان سے ملنے جلنے کے لیے باہر نکلنا میرا دینی فریضہ ہے۔ ساری دنیا بھی مجھے مل جائے جب بھی ان دینی امور سے دست بردار ہونے کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔ زیاد نے کہا ' خیر ان باتوں سے میں منع نہیں کرتا ' لیکن پبلک سے کوئی تعلق نہ رکھو ' جواب میں ابو المغیرہ نے کہا کہ مسلمانوں کو بری بھلی باتوں سے آگاہ نہ کروں ' یہ بھی مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ زیاد نے کہا کہ ابو مغیرہ تو پھر تمہاری پناہ گاہ اب صرف تلوار ہے۔ بولے ' تلوار؟ اس سے مجھ کو کب انکار ہے۔ بدبخت نے حکم دیا اور بے چارے ابو مغیرہ کی گردن اڑا دی گئی۔ اور یہ تو ایک چیز کی مثال ہے۔ عرض کر ہی چکا ہوں کہ حجاج کے مقتولوں کی تعداد خواہ زیادہ ہو لیکن مسلمانوں کے قتل کرنے میں زیاد جتنی لاپرواہیوں سے کام لیتا تھا ' حجاج اتنا غیر محتاط نہ تھا۔

(۲) ابو مغیرہ کو دیکھ کر زیاد نے کہا تھا "اگر یہ بدکا تو سارا کوفہ اس کے ساتھ بدک جائے گا"۔

قارئین کی توجہ کے لیے

ترجمان القرآن کے موجودہ دور کا پہلا ' جنوری ۹۴ کا ' شمارہ دوبارہ طبع کروایا گیا ہے۔ جن اصحاب کو اس کی ضرورت ہو ' -/۱۲ روپے فی شمارہ کے حساب سے طلب فرما سکتے ہیں۔

منیجر ترجمان القرآن

۵ ' اے ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور

© rasailojaraid.com